بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خود شناسی اور حق شناسی

قرآن وحدیث کی روشنی میں اجمالی بیان

(قادری، چشتی اور کمال اللّٰہی سلسلہ کی تعلیمات)

تالیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صاحبزادہ وجانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

حافظ محمد غوث رشیدی صاحب زیدت الطافہم ورفقاء کار

بانی وناظم مدرسہ اسلامیہ تجوید القرآن

آزادنگر، عنبرپیٹ، حیدرآباد ۱۳-آندھراپردیش انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خود شناسی
اور
حق شناسی

قرآن وحدیث کی روشنی میں اجمالی بیان

(قادری، چشتی اور کمال اللٰہی سلسلہ کی تعلیمات)

تالیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صاحبزادہ وجانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

حافظ محمد غوث رشیدی صاحب زیدت الطافہم ورفقاء کار

بانی وناظم مدرسہ اسلامیہ تجوید القرآن

آزادنگر، عنبر پیٹ، حیدرآباد ۳۱ ۔ آندھراپردیش انڈیا

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب	:	خود شناسی اور حق شناسی
مؤلف	:	حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم صاحبزادہ و جانشین عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
سن اشاعت	:	۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء
تعداد	:	ایک ہزار
کتابت	:	شکیل کمپوزنگ سنٹر روبرو فائر اسٹیشن، سیلر، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد - ۳۶ فون: 9391110835, 9346338145
طباعت	:	عائش آفسیٹ پرنٹرس روبرو فائر اسٹیشن، سیلر، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد - ۳۶ فون: 9391110835, 9346338145
قیمت	:	-/20 روپے

بہ اہتمام

حافظ محمد غوث رشیدی صاحب زیدت الطافہم ورفقاء کار

بانی وناظم مدرسہ اسلامیہ تجوید القرآن

آزاد نگر، عنبر پیٹ، حیدرآباد ۳۱ - آندھرا پردیش انڈیا

اِنتساب

قادری، چشتی اور کمال اللّٰہی سلسلہ

کے

روحانی تاجداروں کے نام!

جنہوں نے

آثار، افعال، صفات و وجود

کی تفصیلات بتلائیں!

اور

یافت و شہود کے خصوصی مدارج اربعہ کا طریق سمجھایا۔

اور وجدانا بھی سمجھنے کا موقع ملا!

محمد کمال الرحمٰن قاسمی

صاحبزادہ و جانشین

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۳
۲	فہرست	۴
۳	خودشناسی	۵
۴	اللہ تک پہنچنے کے ۲ راستے	۱۰
۵	نظم (خودشناسی وحق شناسی)	۱۵
۶	عدم کے معنی اور قسمیں	۱۶
۷	ذات کی تعریف اور قسمیں	۱۹
۸	وجدانی تمثیل	۲۲
۹	مرتبہ ثالثہ	۲۴
۱۰	یافت وشہود اور ان کا طریقہ	۲۷
۱۱	نظم (گم)	۲۹
۱۲	نظم (یافت وشہود)	۳۰
۱۳	حقیقت قرب	۳۲
۱۴	مطلق اور مقید ہونے کا مفہوم	۳۴
۱۵	وحدۃ الوجود (الٰہی ریڈیو)	۳۶

پیش لفظ

خود شناسی

پہلا درجہ:

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے افہام و تفہیم اور علم و یقین اور ایمان و عمل کے ذریعہ عمومی صالحین میں داخلہ ملتا ہے مگر جن کی نظر اور آگے چلتی ہے اور آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور وہ ذرائع اور مجاہدات اور اعمال مخصوصہ کے ذریعہ مرتبۂ شہادت علمیہ اور صدیقیت کے مراتب کی طرف ترقی شروع کر دیتے ہیں!

دوسرا درجہ:

شہادت کا مقام اللہ کے ساتھ ربط اور تعلق سے حاصل ہوتا ہے اس کا علم لا الہ لا اللہ کے ذریعہ اللہ کی کامل ربوبیت کا یقین ہے اور اس کا عمل ہر بات میں اللہ ہی سے مدد چاہنا ہے جس کے طریقے دعا، توبہ، توکل، صبر و شکر، رضا بالقضاء وغیرہ ہیں۔

تیسرا درجہ:

صدیقیت کا مقام اس وقت ملتا ہے جبکہ حقیقی عبدیت یا بندگی کا مقام حاصل ہو جائے، حقیقی عبدیت کا مقام اُس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ مل جائیں۔

تو جو اِس دنیا کو ایمان وعمل کے ساتھ لیا وہ اصحاب یمین میں سے ہوگا، اصحاب یمین کے پاس علم بصورت عقیدہ وعمل ہے اور مقربین کے پاس خود اللہ تعالیٰ ہیں۔

اس باب میں حکماء اسلام کا ایک ملفوظ مفید ہوگا۔ سب سے بڑا جاہل وہ ''ممکن'' ہے جو خود کو عالم اور واجب کو جاہل سمجھے۔ ممکن جس کا وجود بالعرض ہے اس کی کونسی شئے اور کونسی صفت بالذات ہوسکتی ہے۔ علم و قدرت واجب کے لئے بالذات ہیں ذاتی چیز ذات سے جدا نہیں ہوسکتی، پس حیات علم ارادہ قدرت اور جتنی صفات ہیں وہ اللہ کے لئے ازلی ابدی ہیں۔ تمام کمالات کا جامع وجود ہی ہے اور جو کچھ ہے وہ وجود ہی کے ظہورات ہیں۔ ذات واجب عین وجود ہے اس کے وجود سے سب کا وجود ہے۔ الحمد للہ!!

رباعی

اب جلوۂ غیر حق ہے ہر پہلو پر
ہے دار و مدارِ زندگی میں تُو پر
کہہ لیجئے آغاز میں میں ہوں تو ہے
ہے خاتمہ لا الٰہ الا ہو پر ﴿امجدؔ﴾

حضرت حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا:

گر زچاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آب پاک

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی کنویں سے روزانہ مٹی نکالتے رہو گے تو آہستہ آہستہ ایک دن پانی تک پہنچ جاؤ گے ایک دن تم کو پاک وصاف پانی مل ہی جائے گا۔ جب میں معارف مثنوی لکھ رہا تھا تو ایک دن خواب میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شعر کی شرح عطاء فرمائی، اس شعر میں پورا سلوک پورا تصوف پوری فقیری ہے۔ جب کنواں کھودا جاتا ہے تو سب سے پہلے سوکھی مٹی ملتی ہے، اس میں پانی کا

نشان تک نہیں ہوتا لیکن اہل تجربہ پر یقین کرتے ہوئے وہ مایوس نہیں ہوتا، سوکھی مٹی نکالتا رہتا ہے۔ اس کے بعد جب مٹی میں تھوڑی نمی آتی ہے تو خوش ہوجاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی منزل اب قریب آرہی ہے پھر اس کے بعد ایک وقت آتا ہے کہ کیچڑ آنے لگتا ہے یعنی پچاس فیصد مٹی اور پچاس فیصد پانی اس پر اہل تجربہ کہتے ہیں کہ ابھی اس پر قناعت نہ کرنا ابھی اور کھدائی کرو ابھی اور تجربہ ومحنت کرو یہاں تک کہ بالکل صاف پانی آجاتا ہے۔ یہ چار منازل ہوئے۔ تو اللہ نے میرے قلب کو یہ مضمون عطا فرمایا کہ سلوک میں بھی یہی چار راستے ہیں۔ شروع شروع میں سالک کو اللہ کا نام لینے میں کچھ مزہ نہیں آتا خشک مٹی کی طرح بے کیفی ہوتی ہے لیکن مرشد کے ارشاد پر یقین کرتے ہوئے مجاہدہ کر کے بہ تکلف وہ اللہ کا نام لیتا رہتا ہے اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا کہ اللہ کے دریائے قرب کی لذت کی تھوڑی نمی آنے لگے گی۔ اس وقت سالک خوش ہونے لگتا ہے کہ منزل قریب ہے پھر ایک زمانہ آئے گا، آدھا پانی اور آدھی مٹی آنے لگتی ہے، یہ وہ منزل ہے کہ سالک مست ہوجاتا ہے۔ اگرچیکہ اللہ کے قرب کا آب صافی ابھی نصیب نہیں ہوا کیونکہ اس کا نور طاعت ابھی ظلمات معاصی سے ممزوج ہے۔ کچھ اللہ کی اطاعت بھی کرتا ہے اور کچھ نفس کی بات بھی مانتا ہے، یہ کیچڑ والا زمانہ ہے ابھی پانی اور مٹی مخلوط ہے۔ اللہ پاک کے قرب خاص کا پاک جرعہ ابھی نہیں ملا لیکن یہ حالت بھی سالک کو مست کررہی ہے۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندا نم چوں کند

یہ مولانا رومی ہیں۔ بہت بڑے شخص ہیں، فرماتے ہیں کہ اے سالکین کرام مٹی ملا ہوا گھونٹ تمہیں مست کر رہا ہے تو جس دم تم صاف پانی پیو گے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ یعنی اپنی نیکیوں سے تم مست ہورہے ہو جبکہ تمہاری نیکیوں میں ابھی گناہوں کی آمیزش ہے تمہارے دریائے قرب کے پانی میں ابھی گناہوں کی مٹی ملی

ہوئی ہے۔ یہ گھونٹ تو ابھی خاک آمیز ہے لیکن اس قرب ناقص سے جب تم مست ہو رہے ہو تو جس دن تم گناہوں کی حرام لذت سے پاک ہو جاؤ گے اور اللہ کے قرب کا پاک و صاف پانی پیو گے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تم پر کیا کیفیت طاری کرے۔ لہٰذا جرعہ خاک آمیز (مٹی ملے ہوئے پانی کے گھونٹ) پر قناعت نہ کرو۔ مجاہدہ کر کے ہر نافرمانی کو چھوڑ دو اللہ کے دریائے قرب کا صاف پانی مل جائے گا۔

والد ماجدؒ نے سالکین کی رہبری کے یافت و شہود کے عنوانات کی بہت سی تفصیلات پیش کیں۔ ان میں کچھ تفصیل یہ ہے کہ اس کے اہم مراتب چار ہیں۔

۱) یافت آثاری ، شہود آثاری

۲) یافت افعالی ، شہود افعالی

۳) یافت صفاتی ، شہود صفاتی

۴) یافت وجودی ، شہود وجودی

- پہلے مرتبہ کے حصول کیلئے انفس و آفاق میں مالکیت الٰہیہ کا شعور۔
- دوسرے مرتبہ کے حصول کیلئے انفس و آفاق میں حق تعالیٰ کے فاعل حقیقی ہونے کا شعور۔
- تیسرے مرتبہ کے حصول کیلئے اللہ ہی کے موصوف بہ صفات کمال ہونیکا شعور۔
- چوتھے مرتبہ کے حصول کیلئے انفس و آفاق میں اللہ کے موجود و مشہود ہونے کا استحضار اور مجاہدہ!

تیرے سوا معبود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مقصود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا موجود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مشہود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

لیکن یہ باتیں خالی علوم کیلئے نہیں ہیں اعمال و احوال صحیح علم و عمل اور اخلاص

کے ساتھ نتیجہ خیز ہوتی ہیں اُسی فکر و عمل کیلئے یہ کچھ تفصیلات درج ہیں۔

مردِ حال شو

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

آدمی صاحب حال کیسے بنتا ہے؟ — یافت وشہود پر عمداً زور دینے سے

زور دینے کا کیا مطلب؟ — مجاہدے سے

مجاہدہ کیا ہے؟ — مجاہدہ استحضار علم الٰہی کا نام ہے

کیا اس حال کو قبول کرنے کیلئے قال یا تقریر و بیان کی شرط ہے؟ نہیں بلکہ ہر سچا طالب و عاشق اس فیض سے مستفید ہوسکتا ہے اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ الفاظ کا کافی ذخیرہ رکھے اور قوت بیانیہ میں باکمال ہو اور اصطلاحات سے بھی واقف ہو یہ چیزیں تو اصحاب علم و دانش کیلئے بطور وسعت فنی اور وقعت علمی کے پیش کی جاتی ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بولنے کا یارانہ رکھے مگر کیفیات یافت وشہود سے مشرف ہو۔ آخر آنحضور ﷺ کی ذاتِ مبارک بھی تو امی لقب تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو کچھ دولت ملی وہ علوم وفنون کے حاصل کرنے پر یا مکاتب و مدارس میں شرکت اور پڑھنے لکھنے کی بنیاد پر نہیں ملی بلکہ صحبت نبوی ﷺ، محبت نبوی ﷺ اور اطاعت نبوی ﷺ کی بنیاد پر ملی۔

ذَالِکَ فَضۡلُ اللهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللهُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ.

محمد کمال الرحمٰن قاسمی

فرزند و جانشین

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

﴿درس-۳﴾

تعلیمات سلسلہ قادریہ کمالیہ

اللہ تک پہنچنے کے ۲ راستے!

اس سلسلہ میں سمجھایا جاتا ہے کہ ہے کو ہے اور نہیں کو نہیں کہے اور پھر ہمیں یہ جاننا ہے کہ ہے پن کس کو سزاوار ہے اور نہیں پن کس کیلئے ہے۔

عقل و وجدان سے اسے ماننا ممکن ہے اس کا ذریعہ آیت قرآن اور آنحضور ﷺ کے فرمان سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تک پہنچنے کے دوراستے ہیں ایک راستہ عرفان کا اور دوسرا راستہ اذکار مقیدہ کا ہے اور ان دونوں میں کافی فرق ہے۔

۱۔ عرفان مطلق ہوتا ہے اور ذکر مقید ہوتا ہے۔

۲۔ عرفان سے استفادہ بیکراں ہے اور اذکار مقیدہ کا استفادہ محدود ہے۔

۳۔ عرفان 'کل' ہے اور اذکار 'جز' ہیں۔

۴۔ ذاکر ہر شئے میں اللہ کو دیکھنے کا عادی ہوتا ہے صرف تشبیہی شان میں بخلاف عارف کے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ تنزیہی عرفان رکھتا ہے۔

انفس کا جائزہ!!

جس وقت بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اور تمام اعضاء پورے ہو چکے

ہوتے ہیں تو اس وقت ناک رہتی ہے سانس نہیں، دل رہتا ہے علم نہیں، نفس رہتا ہے ارادہ نہیں، اعضاء، ہاتھ پاؤں رہتے ہیں قدرت نہیں، کان رہتے ہیں سماعت نہیں، آنکھیں رہتی ہیں بصارت نہیں، زبان رہتی ہے کلام نہیں یعنی مکان تھا مکیں نہیں، ایسے ہی بندہ کی ذات مکان اور حق تعالیٰ کا وجود مکیں۔

اور یہ اچھی طرح یاد رہنا چاہئے کہ مکاں مکیں نہیں اور مکیں مکاں نہیں مکاں مکاں ہے مکیں مکیں ہے۔

سبعہ صفات کاملہ انسان کی ملکیت نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے۔

جب حق تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ یہ مردہ ہے، جاہل ہے، مضطر ہے، عاجز ہے، بہرہ ہے، اندھا ہے، گونگا ہے تو حق تعالیٰ نے صفاتِ کاملہ کو روح کی پوٹلی میں لپیٹ کر ہم سے متعلق کیا تو یہ سات صفات اپنے مکان اور محل پر جم گئیں۔

روح آتے ہی سانس ناک سے جاری، علم دل میں، ارادہ نفس میں، قدرت اعضاء میں، سماعت کانوں میں، بصارت آنکھوں میں کلام زبان سے، متعلق ہوا فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا کا مصداق۔

ذات حق اور ذات خلق!

سات صفات ناقصہ موت، جہل، اضطرار، عجز، بہرہ پن، اندھا پن، گونگا پن، یہ ہماری ہیں یہ ذات ہماری ہے ہماری ذات کو ذات عبد کہتے ہیں اور صفات کمالیہ حیات، علم، ارادہ، قدرت، سماعت، بصارت، کلام۔ یہ صفات حق تعالیٰ کی ہیں وہ سات اور یہ سات کل چودہ چیزیں جمع ہوتی ہیں تو میں کا لفظ نکلتا ہے۔ اللہ کی ذات ہماری ذات کا غیر ہے اور ہماری ذات اللہ کی ذات کا غیر ہے۔

ذات مرجع اسماء وصفات کو کہتے ہیں۔

صفاتِ سبعہ وجودیہ کمالیہ ذات حق کیلئے اصلاً حقیقتاً اور ذاتاً ہیں اصلی ہیں،

ذاتی ہیں کلی ہیں۔

وہی صفاتِ کاملہ بندہ کیلئے عارضی ہیں عاریتی ہیں اماناً ہیں۔

اگر ان صفات کو اپنی سمجھیں تو دو غلطیاں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ دوسرے کی چیز کو اپنا کہنے کی وجہ سے غاصب اور مشرک کہلاتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اپنی چیزوں اور صفات عدمیہ کو بھولنے کی وجہ سے غافل کہلاتے ہیں۔

صفاتِ کمالیہ کا غصب کرنا ظلم ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ اس لئے اس حقیقت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے۔

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا
تیرا تجھ کو سونپنے میں کیا بگڑا ہے میرا
درحقیقت مالک اصلی خداست
ایں امانت چند روزہ نزد ماست

صفاتِ وجودیہ میں ہے پن ہوتا ہے اور ہے پن اللہ کیلئے مخصوص ہے۔
اور صفاتِ عدمیہ میں نئیں پن ہوتا ہے اور نئیں پن بندے کیلئے مخصوص ہے۔

اور ہے کو ہے نئیں کو نئیں بوجھنا ہے سانچ
انصاف کے بصر سے یہاں کر نظر کمال
پس ہے سو حق نہیں سو اپے یعنی اسکا غیر
وحدت کے بحر کا یہ سخن ہے، گہر کمال

اشتیاق اور احتیاج کا فرق کھلے طور پر سمجھئے!!

صفات وجودیہ چاہتے ہیں صفات عدمیہ کو اور صفات عدمیہ چاہتے ہیں صفات وجودیہ کو مگر دونوں کی چاہت میں بڑا فرق ہے۔ یہ فرق اشتیاق اور احتیاج

کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اشتیاق میں غنا ہوتا ہے اور اشتیاق کے پورے ہونے میں ظہور ہے احتیاج میں فقر اور احتیاج کے پورے ہونے میں قیام ہے۔

ظہور و قیام کی تشریح و تعبیر!!

صفاتِ وجودیہ اور صفات عدمیہ کی تشریح ظہور و قیام کے ذریعہ......

حیات کا ظہور مردہ پن سے اور مردہ پن کا قیام حیات سے، علم کا ظہور کشکولِ جہالت سے اور جہالت کا قیام علم سے ہے، ارادہ کا ظہور اضطرار سے اور اضطرار کا قیام ارادہ سے ہے۔ قدرت کا ظہور موقع عجز سے اور عجز کا قیام قدرت سے ہے۔ سماعت کا ظہور بہرہ پن سے اور بہرہ پن کا قیام سماعت سے ہے، بصارت کا ظہور اندھے پن سے اور اندھے پن کا قیام بصارت سے ہے، کلام کا ظہور گونگے پن سے اور گونگے پن کا قیام کلام سے ہے۔

ذات حق کی تنزیہ ونزاکت!!

اللہ کی کسی صفت کے ظہور سے کوئی چیز اس سے خارج نہیں ہوتی اور بندے کے کسی اپنے صفت کے قیام سے اللہ کا کوئی جز اس میں داخل نہیں ہوتا اللہ پاک اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہیں۔

فرق وجود و موجود!

خلق کو صوفیا موجود کہیں حق کو وجود
اک ہستی سے دو موجود کہنا روا
یہ تمامی بیان وحدت ہستی کا کمال
لیکن ازروئے حقائق ہے حق و خلق جدا

نوٹ: خلق وحق کی تمیز لازمی ہے۔ ڈاکٹر میر ولی الدین رحمہ اللہ نے بعض

حوالوں سے یہ مصرعے لکھے ہیں ذہن نشین رکھئے۔

صوفیاء کا یاد رکھ قاعدۂ کلیہ
خلق نہ ہوجائے حق، عبد نہ ہوجائے رب
عطر کو کہنا شراب، آب کو کہنا سراب
خوب کو کہنا خراب کذب ہے اے بے ادب
کر تو حقیقی دوئی عالم و حق میں ثبوت
ورنہ حقائق کے بیچ لاف نہ کر موند لب

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ

درس-۴

خود شناسی اور حق شناسی؟

معرفت کا ہے یہی اول سبق ذات دو ہیں نیست بندہ ہست حق
ثابت الذات اور مسلوب الوجود بندہ ہے بود و نبود اسکا نمود
عارفوں نے کی ہے یوں تعریفِ ذات جس سے ہوں منسوب اسماء و صفات
بولتا سنتا سمجھتا دیکھتا چاہتا زندہ قادر ہے خدا
گونگا بہرہ بے سمجھ اور بے بصر بے ارادہ مردہ بے قدرت بشر
ذات کامل حق کے ہیں کامل صفات ذات ناقص عبد کے ناقص صفات
عبد و رب میں ہے حقیقی غیریت باوجود یہ غیریت ہے عینیت
گرچہ ہر دو میں ہے ذاتاً غیریت پر ہے ان دو میں وجوداً عینیت
راستہ کلمہ میں ہے کونین کا جمع کر دکھلاتا ہے یہ ضدین کا
جامع الاضداد کامل پیر ہے
کامل الارشاد کامل پیر ہے

عدم کے معنی اور قسمیں !!

عدم کے معنی نہیں کے ہیں عدم دو قسم پر ہے (۱) عدم محض (۲) عدم اضافی۔
عدم محض وہ جس کا ثبوت علم الٰہی میں نہ ہو اور وہ کبھی بھی خارج میں یا داخل میں پایا نہ جائے مثلاً اللہ کے جیسا اللہ یا اللہ کے مقابل اللہ۔

عدم اضافی وہ ہے جس کا ثبوت علم الٰہی میں ہو اور جس میں وجود اور وجود کے کمالات حاصل کرنے کی استعداد موجود ہو اور جو ان کمالات کے استعمال میں مختار بھی ہو مثلاً خصوصاً انسان!

عدم کے اجزاء!

عدم اضافی کی تعریف کے تین اجزاء ہیں۔

(۱) پہلا جزء جس کا ثبوت علم الٰہی میں ہو اس کی تشریح اس طرح پر ہے کہ ہم اور تمام مخلوقات تخلیق سے قبل کہاں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم علم الٰہی میں تھے اگر علم الٰہی میں نہ ہوتے تو ہرگز خارج میں موجود نہ ہوتے آیۃ، اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔

ترجمہ: یاد رکھو کہ وہ یعنی اللہ جانتا ہے کہ وہ کیا پیدا کرنے والا ہے وہ ایسا لطیف ہے کہ ہر شئے کو پیدا کرنے سے قبل نہایت تفصیلی طریقہ پر اس کے متعلق اپنے علم میں سب کچھ جانتا ہے اور ایسا باخبر ہے کہ ہر شئے مخلوق اور موجود ہونے کے بعد پیدا ہونے اور مرنے، پہلے اور بعد کی تمام تفصیلات سے وہ باخبر ہے لٰہذا ہر شئے اللہ کے علم کا معلوم ہوئی۔ وہ اللہ کے علم کا معلوم ہونے کی وجہ ثابت الذات مسلوب الوجود ہے۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر شئے اللہ کے علم میں تو ثابت ہے، مگر خارج میں موجود نہیں، حقیقت کی دو نوعیتیں ایک حقیقت اصلیہ دوسرے حقیقت مجازیہ۔

حقیقت اصلیہ ! ہر شئے کے معلوم کو کہتے ہیں جو اللہ کے علم میں ہے!

حقیقت مجازیہ انسان کے اعتبار سے دومنی کے بوند کو کہتے ہیں جو مرد اور عورت کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ معلوم اللہ کے علم میں کب سے ہے اس کا سادہ اور واضح جواب یہ ہے کہ یہ معلوم اللہ کے علم میں اس وقت سے ہے جب سے اللہ کا علم ہے اور اللہ کا علم اس وقت سے ہے جب سے کہ وہ اللہ ہے۔اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیئٍ عَلِیُم.

اللہ ازل سے ہے ابد تک رہے گا اگر ایسا نہ ہوتو اللہ پر جہل لازم آئے گا جو ناممکن ہے۔تعالی اللہ عن ذلک۔جگرمراد آبادی کا شعر

میں ہوں ایک قطرہ بہ آغوش دریا

ازل سے ابد تک بہا جارہا ہوں

مگر ہمارے ازل سے ابد تک اور اللہ کے ازل سے ابد تک رہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے، وہ فرق یہ ہے کہ اللہ کا وجود ذاتی ہے اور ہمارا وجود علمی ہے، لہٰذا ہماری موجودیت اللہ کی موجودیت پر منحصر وموقوف ہے، ہماری عبدیت اس سے بڑھ کر کیا ثابت اور کامل ہوسکتی ہے کہ ہم قبل تخلیق بھی اپنی موجودیت میں اللہ کے علم کے محتاج ہیں، احتیاج کا یہ کھلا ہوا راز ہماری خودشناسی کا جزو اعظم ہے۔

(۲) عدم اضافی کا دوسرا جزو یہ ہے جس میں وجود اور وجود کے کمالات حاصل کرنیکی استعداد موجود ہو یہ جزو عدم اضافی کی صلاحیت خلقی پر دلالت کرتا ہے صلاحیت خلقی ہر عبد کے سبع صفات نقصانیہ کے ان میلانات کو کہتے ہیں جو سبع صفات کمالیہ کے حصول کیلئے پائے جاتے ہیں، اللہ پاک ان میلانات کو خلق کر کے ہر انسان کی سرشت میں داخل کردیا ہے، جس کا ثبوت اس آیت میں ملتا ہے۔

آیت :لَقَدُ خَلَقُنَا الْاِنُسَانَ فِیُ اَحُسَنِ تَقُوِیُم

ترجمہ: بے شک انسان کو ہم بہترین ساخت میں بنائے ہیں۔

بہترین ساخت میں اشارہ اللہ کے وجود اور وجود کے کمالات حاصل کرنے کی صلاحیت کی طرف سے یہ صلاحیت خلقی ہے اور اس صلاحیت خلقی کو اللہ پاک اپنی طرف منسوب کرر ہے ہیں، لہٰذا یہ صلاحیت جبری ہوئی یہ اللہ کا جبر محمود ہے تا کہ انسان اللہ کی خلافت کا صحیح معنوں میں مستحق ہو، یہ جبر کا کھلا ہوا راز ہماری خودشناسی کا جزو خلقی ہے۔

(۳) عدم اضافی کا تیسرا جزو: جو ان کمالات کے استعمال میں مختار بھی ہو یہ جزو عدم اضافی کی صلاحیت پر دلالت کرتا ہے، صلاحیت ذاتی ہر انسان کے خیر وشر کرنے کی استعداد کو کہتے ہیں اس خیر وشر کی استعداد کا ثبوت اس آیت میں ہے۔

آیت: قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ.

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ آپ فرمادیجئے کہ ہر انسان اپنی شاکلہ یعنی صلاحیت ذاتی کے موافق عمل کرتا ہے اس صلاحیت ذاتی کی نسبت اللہ پاک خود اپنی طرف نہیں بلکہ بندہ کی طرف کرر ہے ہیں، لہٰذا یہ صلاحیت ذاتی ہر انسان کی اختیاری ہے اختیار کا کھلا ہوا راز ہماری خودشناسی کا جزو ذاتی ہے۔

دلائل دے کے دل کی بات کو کیوں کوئی الجھادے
ملا کر اُن سے مجھ کو کوئی الجھن میری سلجھادے
ملا سکتا نہیں تو دور ہی سے جلوہ دکھلادے
کوئی عالم کوئی فاضل مجھے اتنا تو سمجھادے
اگر میں ہوں تو لا کیسا نہیں ہوں عبدہ کیا ہے؟

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

[درس - ۵]

خود شناسی؟

ذات؟ اقسام؟

ذات وہ ہے جس کی طرف اسماء وصفات منسوب کئے جائیں، اسماء وصفات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اسماء وصفات کاملہ دوسرے اسماء وصفات ناقصہ لہٰذا ایک ذات کامل ہوئی دوسری ذات ناقص۔

ذات کامل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ذات ناقص ماسویٰ اللہ کی ذات ہے ذات کامل کو ذات قدم کہتے ہیں اور ذات ناقص کو ذات عدم کہتے ہیں۔

ذات عدم کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے علم میں تو ہے یعنی وجود علمی تو رکھتا ہے مگر اللہ کے کمالات سے خالی ہے لہذا عدم کے معنیٰ کمالات سے خالی ہونا ہے نہ کہ بالکل لاپتہ ہونا ہے عدم کے یہ مخصوص معنی اور اس کا اطلاق علم تصوف کے خزانہ کی کنجی ہے اور علم الٰہیات کا بڑا راز ہے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنی تشریحات سے ان عدمات کے راز کو خوب روشناس کرایا ہے اور شریعت کی بنیاد دوئی کو بتایا ہے اب ہم ذات عدم یعنی معلومات حق پر غور کریں گے اللہ کی

معلومات اس وقت سے ہیں جب سے اللہ کا علم ہے۔ اللہ کا علم اس وقت سے ہے جب سے اللہ علیم ہے اللہ علیم اس وقت سے ہے جب سے اللہ ہے: اگر اللہ کے مرتبہ علم یا مرتبہ علیم میں معلومات نہ پائی جائیں تو اللہ کی ذات کو جہل لازم آئے گا مگر اللہ کو جہل کسی مرتبہ میں بھی ناممکن ہے، لہٰذا اللہ کی معلومات اللہ کی ذات کے ساتھ معیت رکھتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہیں، لہٰذا اللہ کی معلومات کو اللہ کے ساتھ معیت ازلی اور معیت ابدی حاصل ہے معیت ابدی کی وجہ سے اللہ کی معلومات اللہ کے ساتھ عینیت رکھتے ہیں، چونکہ اللہ کی معلومات صفات نقصانیہ بالقوۃ رکھتی ہیں اور اللہ صفات کمالیہ سے بالقوۃ و بالفعل متصف ہے، لہٰذا اللہ میں اور اللہ کی معلومات میں غیریت حقیقی بھی پائی جاتی ہے مختصر یہ کہ اللہ کی معلومات کو اللہ کے ساتھ باوجود حقیقی غیریت کے کامل عینیت یعنی معیت ازلی اور ابدی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ بغیر کسی محذور عقلی اور بغیر کسی اشکال نقلی کے دو ذات ازلی اور ابدی ثابت اور متحقق ہیں۔

صوفیا دو ذات کی اصطلاح وضع کرکے دوئی کے سب معنیٰ ان میں جمع کردئے ہیں، جس کی وجہ سے تصوف کے تمام مسائل کی تحقیق، تقریر، تحریر اور تفہیم سب آسان ہوگئی ہے۔

تعدد قدماء کا شبہ!!

دو ذات ازلی اور ابدی یعنی قدیم ہونے کے باوجود تعدد قدما لازم نہیں آتا تعدد قدما دو ایسے قدیم کو کہتے ہیں جو دونوں جدا جدا قائم بخود ہوں اور ایک کے قیام کو دوسرے کے قیام سے کوئی تعلق نہ ہو، یہاں دو ذات میں ایسا قیام نہیں ہے بلکہ ذات عدم کو ذات قدم سے قیام و بقا ہے اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ معلومات حق موجود بوجود علم حق ہے اس لئے معلومات کا وجود علیم کے وجود ذاتی و اصلی کے مغائر نہیں کہہ سکتے بلکہ معلومات خود علیم کے علم میں داخل ہیں اور علم ہی سے قیام پاتے ہیں، لہٰذا

تعدد قدماء کا اعتراض اس طرح مرتفع ہو جاتا ہے جب انسانوں کا مقصد تخلیق عبادت ہے تو عابد و معبود دو ذاتوں کا الگ الگ ہونا ضروری ہے، ایک ذات عابد دوسری ذات معبود! دو ذات کے ثبوت دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱) عقلی ثبوت! مقولہ: تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا ترجمہ: چیزیں پہچانی جاتی ہیں اپنی ضد سے، مثلاً دن کو پہچاننا ہو تو رات کا ہونا ضروری ہے۔ سیاہ رنگ کو سفید کے مقابل میں پہچانا جاتا ہے اور پھول کی پہچان کانٹے سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کو پہچاننے کیلئے غیر اللہ ہونا ضروری ہے اگر غیر اللہ نہ ہو تو کون کس کو پہچانے اگر اللہ اللہ کو پہچانے تو یہ پہچاننے میں داخل ہی نہیں بلکہ مرتبہ شناخت اللہ کے مرتبہ میں داخل ہے، لہٰذا اس غیر اللہ کو دوسری ذات کہتے ہیں جو ذات ناقص کہلاتی ہے۔

(۲) عقلی ثبوت!! یہ ثبوت ذریعہ رسول و کتب پیش کیا جاتا ہے، اگر دو ذات کے بجائے ایک ہی ذات مان لی جائے یعنی اللہ اور بندہ کی ذات ایک ہو جائے تو اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ اللہ تو ہے ہی اور رسول یہ بھی اللہ ہوگا! امت جس کی طرف رسول بھیجے گئے وہ بھی اللہ ہو جائے گی، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ اللہ کے ذریعہ اللہ کے پاس آیا اور آنے کے بعد امت میں جو لوگ خیر و شر کریں گے تو وہ خیر و شر بھی اللہ کی طرف منسوب ہوں گے یعنی ایک اللہ خیر کیا، جنت میں گیا، دوسرا اللہ شر کیا دوزخ میں گیا، تعالیٰ اللہ عن ذلک اسی مضمون کو اس طرح بھی ادا کرتے ہیں، کہ اگر اللہ اور بندہ کی ذات ایک ہو جائے تو آمر کون اور مامور کون؟ اللہ کون اور رسول کون؟ اللہ کون اور بندہ کون؟ بغیر دو ذات کے ارسال رسل کس پر؟ نزول کتب کس پر؟ ان سب سوالات کا صاف اور واضح جواب ایک ہی ہے وہ یہ کہ رسول اور امت دونوں ماسویٰ اللہ ہیں، یہی دوسری ذات ہے۔

(۳) پہلا نقلی ثبوت! آیت: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم (حدید رکوع ۱) ترجمہ: وہی اول ہے آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی ہر شئے کا علم رکھتا ہے۔ ایک اور آیت: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ اَيْنَمَا مَا كُنتُمْ. ترجمہ: وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو پہلی آیت ثابت کرتی ہے کہ اللہ ہر شئے کا اول آخر ظاہر و باطن ہے، اگر دو ذات ایک ہو جائیں تو اللہ اللہ کا اول ہوگا اللہ اللہ کا آخر ہوگا، اللہ اللہ کا ظاہر ہوگا اللہ اللہ کا باطن ہوگا۔ یہ سب بلا اظہار اور بلا بیان کے بھی ہیں۔ یہاں اتنے اہتمام سے اللہ کا ان چیزوں کا بیان کرنا بلا دو ذات کے مہمل ہو جاتا ہے دوسری آیت میں کون کس کے ساتھ ہے؟ اگر اللہ اللہ کے ساتھ ہے تو اس کا ساتھ یا ہمراہ نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تو اللہ ہی ہے، اللہ کی معیت اس وقت ہوگی جبکہ دوسری ذات ہو، اسی دوسری ذات کو ناقص کہتے ہیں جس کا اظہار لفظ شئ سے پہلی آیت میں کیا گیا ہے۔

(۴) دوسرا نقلی ثبوت!! آیت: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ۔ ترجمہ: دو دریا ازل سے ابد تک ساتھ ساتھ بہہ رہی ہیں مگر اس بہنے سے ایک دوسرے سے نہیں ملتیں بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جو ان کو ملنے نہیں دیتا اس آیت کریمہ کا اعتبار دو ذات ہے، ایک ذات کامل دوسری ذات ناقص یہ دونوں ذات باوجود ایک ہی محل میں پائے جانے کے ایک دوسرے سے نہیں ملتے اور جو چیز ان دونوں کے ملنے سے روکتی ہے وہ درمیان کا پردہ ہے یہ پردہ ذات کامل کا کمال یا ذات ناقص کا نقص ہے۔ اس پردہ کو ہم ایک مثال کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں۔

وجدانی تمثیل!!

اگر ہم ایک کانچ کے گلاس میں پانی ڈالدیں اور پھر اس پر تیل ڈالیں تو تیل ہمیشہ پانی کے اوپر رہے گا اور پانی میں ہرگز نہیں ملے گا۔ اب ہم اس پانی کے گلاس

میں پانی اور تیل کی حد کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں، جہاں تیل ختم ہو جاتا ہے وہیں سے اس کے نیچے سے پانی شروع ہو جاتا ہے۔اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پانی اور تیل کے ملنے میں کونسی چیز حائل ہوتی ہے؟یا کوئی تیسری چیز ہے جو ان کو ملنے نہیں دیتی؟ ہرگز ایسا نہیں ہے اور نہ ہی کسی تیسری چیز کا وہاں کوئی وجود ہے، بلکہ تیل کی لطافت خود ایک پردہ ہے جو دونوں کو ملنے سے روکتا ہے۔

لہٰذا حق اور عبد دونوں دو ذات ازل سے ایک ساتھ ہیں، باوجود ایک رہنے کے ایک دوسرے سے نہیں ملتے، قبل تخلیق بھی علیم، علم، معلوم کے اعتبار سے حق، حق ہے اور عبد، عبد ہے، بعد تخلیق بھی حق حق اور عبد عبد ہی ہے۔

مغائرت تامہ ذاتاً

معلوم خدا از ازل غیر خدا است
ہم خارج وہم بہ علم میداں کہ جدا است
ایں آں نبود بہ یقین آں ایں نبود
ایں ایں از ازل آں آں بخدا است

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

درس-۶

مرتبہ ثالثہ

سورہ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے آج کا دن میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کر دیا میں نے تم پر اپنی نعمت اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا، اس عبارت سے اسلام کے دو اجزاء قرار دئے جاسکتے ہیں ا دین، ۲ نعمت۔ دین تو لازمی جز ہے اور نعمت اس دین کی تکمیل کے مراتب ہیں جو باکمال اور با استعداد لوگوں کا حصہ ہے مرتبہ دین میں شریعت و طریقت کی تفصیل پیش کی جاتی ہے مرتبہ نعمت میں حقیقت و معرفت کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ مرتبہ دین میں علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی مستقلاً ہوتا ہے اور مرتبہ نعمت میں علم عین عمل شمار ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ آمنوا وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ میں مرتبہ دین کی وضاحت ہے اور اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْعِلْمُ بِاللّٰہِ میں مرتبہ نعمت کی وضاحت ہے، علماء ظاہری دین کے حامل ہوتے ہیں جس میں توحید آثاری اور توحید افعالی کا بیان ہوتا ہے اور اولیاء اللہ کاملین توحید آثاری اور توحید افعالی کے ساتھ ساتھ توحید صفاتی اور توحید وجودی کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ یہ راہ راہ حقیقت کہلاتی ہے اس منزل کو منزل جبروت سے تعبیر کرتے ہیں اور صفات الٰہیہ کا نام ہی منزل جبروت ہے۔ جبروت جبر سے بنا ہے

جس کے معنیٰ ہیبت وجلال کے ہیں، اللہ پاک اپنی صفات کا پرتو بندہ کی ذات پر جبراً ڈالتے ہیں تا کہ اس کو بھلائی ملے اور نفع حاصل ہو سکے اللہ کی یہ عنایت جبر محمود ہے جس میں سالک حق کی عنایات کا مشاہدہ کرتا ہے اور محمودیت میں استغراق حاصل کرلیتا ہے، یہاں سالک جس حال میں ہوتا ہے اس کو لاموجود الا اللہ کے کلمہ کی فہم دی جاتی ہے صفات ذاتی اور صفات اضافی کا فرق سمجھایا جاتا ہے اور انسان غلط فہمی اور کج فہمی سے جو نسبت ماسوی اللہ سے کرلیتا ہے اس کی نفی ضروری ہوتی ہے۔ یعنی موصوفیت ماسوا اللہ کی نفی اور اثبات موصوفیت الٰہیہ کا ضروری ہوتا ہے۔ امہات الصفات وہی صفات سبعہ ہیں جن کو بار بار یاد دلایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بقیہ صفات اضافی کہلاتے ہیں عام طور پر انسان ان اسماء وصفات کو غیر کی طرف منسوب کردیتا ہے۔ خالقیت و رازقیت عزت دینے کی صفت اور ذلت دینے کی صفت وغیرہ، ان اسماء وصفات کو ماسوی اللہ کی طرف منسوب کرنا شرک ہے اور مخلوق سے ان صفات کو کاٹ کر یہ کمالات خدا میں تسلیم کرنا توحید ہے اسی مرحلہ پر کہا جاتا ہے کہ اثبات موجودین شرک ہے، ایک مال کے دو مدعی نہیں ہوسکتے اگر ہوں تو ایک سچا ہوگا، دوسرا جھوٹا۔ لہٰذا اثبات موجود واحد صحیح توحید ہے گویا یوں کہا جائے گا خدا ایک ہے باعتبار آثار، اللہ ایک ہے باعتبار افعال، اللہ ایک ہے باعتبار صفات اللہ ایک ہے باعتبار وجود اللہ ایک ہے اور یہی معنیٰ صحیح ہے ھمہ اوست کے، اور جنہوں نے اس کا مفہوم یہ لیا کہ جھاڑ خدا، پہاڑ خدا، زمین خدا، آسمان خدا، بندہ خدا، ہر ذرہ خدا، نعوذ باللہ یہ سراسر کفر ہے، الحاد ہے، سراسر باطل ہے، ایسے لوگ صرف اوست کے قائل ہوتے ہیں۔ اوست نری عینیت ہے اور نری عینیت کا قائل ملحد ہوتا ہے کیوں کہ بندہ حقیقت میں اللہ ہو جائے تو رسول کا بھیجنا کس کی طرف منسوب؟ نزول کتب کس پر؟ فنا کس کو بقا کس کو آمر کون، مامور کون، ہستی کس کی، نیستی کس کی، بغیر دوئی کے ارسال رسل کس

پراور کتب کا ظہور کیوں کر؟ ایسی صورت میں شریعت کے تمام احکام باطل ہو جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔ یہ اوست والے حقیقت رب کا تو کسی درجہ میں علم رکھتے ہیں مگر غیریت کو خلاف حقیقت سمجھتے ہیں یہ حقیقت میں کثرت نور کے باعث محجوب ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ میں ایک اور نظریہ یہ ہے کہ یہ نظریہ والے صاحب فرق کہلاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ذات خلق کو تمام نقائص کا مرجع مانتے ہیں اور ذات ممکن کو عدم محض مانتے ہیں، یہ گروہ اہل ظاہر ہے یہ ذات خلق اور ذات حق میں غیریت کی انتہاء میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ عینیت کا قائل ہونا بے ادبی تصور کرتے ہیں، یہ علماء ظواہر اور ہمہ از اوست کے قائلین ہوتے ہیں اور دو وجود اور دو ذات ان کا نظریہ ہوتا ہے یہ ناقص التحقیق ہیں چونکہ یہ حقیقت عبد سے تو واقف ہوتے ہیں مگر حقیقت رب سے بے بہرہ ہو کر عبد و رب کے باہمی تعلق اور ربط سے حالاً محروم نظر آتے ہیں۔

صاحب جمع الجمع یہ وہ حضرات ہیں جو کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء کو تفصیلاً تحقیقاً عرفاناً جانتے مانتے ہیں۔ یہ جامعیت کے حامل ہوتے ہیں ایک طرف یہ ذات حق کو کمالات کا مرجع اور اصل جانتے ہیں تو دوسری طرف ذات خلق کو عدم محض نہیں بلکہ عدم اضافی یعنی علم الٰہی میں ان چیزوں کا ثبوت مانتے ہیں یہ دو ذات ایک وجود کے قائل ہوتے ہیں اور تمام اسماء وصفات کا ظہور ذات خلق کے ساتھ وجود زائد بر ذات ہے۔ مسلک ان کا عینیت مع غیریت اور غیریت مع عینیت ہوتا ہے۔ یہ عینیت کو بھی حقیقی مانتے ہیں جسے یوں کہا جاتا ہے کہ عینیت حقیقی اصطلاحی من حیث الوجود اور غیریت حقیقی اصطلاحی من حیث الذات یعنی من حیث الوجود عین اور من حیث الذات غیر اور جس حال میں وہ عین ہے اسی حال میں وہ غیر ہے اور جس حال میں وہ غیر ہے اسی حال میں عین ہے۔

''معرفت کی ہوا میں اڑنے کو عینیت غیریت دو پر ہونا،، اس مرحلہ کی تکمیل کیلئے اللہ کی صفات کے یافت وشہود پر زور دیا جاتا ہے۔ اس یافت وشہود صفات کو قرب حق بھی کہتے ہیں اللہ کا کمال یہ ہے کہ وہ بندہ سے قریب ہے، اقرب ہے ساتھ ہے محیط ہے اللہ بندہ کا اول و آخر ہے اور ظاہر و باطن ہے۔ اب بندہ کا کمال یہ ہے کہ اس یافت وشہود کو بذریعہ مجاہدہ بصورت مراقبہ ومشاہدہ اس قرب حق کو پائیں۔

یافت وشہود اور ان کا طریقہ:

یافت کے معنی پانے کے ہیں یعنی اپنے باطن میں حق کو دیکھنا اس کا تعلق انفس سے ہے۔ آنکھ بند کر کے اپنے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو بھی خطرات آئیں تو ہر صورت میں ظاہر اللہ اور باطن اللہ ایسا تصور کرنے سے خطرات خود بہ خود دفع ہوجاتے ہیں اور جب خطرات دفع ہوجاتے ہیں تو ہویت ذاتی میں ایسا منہمک ہوجاتا ہے کہ علم، انا وغیرہ کسی کا امتیاز باقی نہیں رہتا یعنی ہویت ذاتی میں گم ہوجاتا ہے اسی کو توحید کی توحید کہتے ہیں اور بے خبری بھی کہتے ہیں تھوڑی دیر بھی اس طرح کا شعور مراتب علیا کے آثار پیدا کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یافت وشہود کا ذریعہ آفاق وانفس میں انا ہے انا حقیقت محمدیؐ ہے اس کے دو اعتبارات ہیں، ایک ظاہر، دوسرا باطن۔ ظاہر کو ہوالظاہر اور باطن کو ہویت ذاتی کہتے ہیں۔

اشیاء کو ہم حواس سے ادراک کرتے ہیں جو اس کو عقل سے اور عقل کو روح سے اور روح کو انا سے اور انا کو ہویت ذاتی سے ادراک کرتے ہیں اور یہ ہویت میرے میں اور کائنات میں ذرہ ذرہ میں پائی جاتی ہے تمامُ عالم ایک آئینہ خانہ ہوا جب آئینہ میں دیکھتا ہوں تو میری ہی صورت نظر آتی ہے۔ یہاں میری سے مراد ہویت ذاتی ہے، لہٰذا ہر شئے کا ظاہر اور باطن اور ہوا یہی طریقہ شہود کا ہے۔ الحمدللہ

انفس انسان کا ظاہر و باطن ہے، انسان کے علاوہ جتنی کائنات ہے وہ آفاق ہے انفس و آفاق کی یہ اصطلاح قرآن مجید کے پچیسویں پارے کے چھٹے رکوع میں سورہ حم سے لی گئی ہے ارشاد ربانی ہے سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (پ ۲۵ ع ٦) عنقریب دکھلاتے ہیں ہم ان کو اپنی نشانیاں ان کے انفس و آفاق میں یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تحقیق کہ وہی حق ہے، اس آیت کے دو مطلب ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی۔

ظاہری مطلب

انفس و آفاق میں کسی شئے سے خالق شئی تک اور صنعت سے صانع تک پہنچنا ہر بندے کا کام ہے۔

باطنی مطلب

اس کا باطنی معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ ان چیزوں کو جنہیں اللہ پاک دکھا رہے ہیں ان پر سرسری نظر نہ ڈالیں بلکہ اس شئے کی گہرائی تک اتر جائیں یہاں تک کہ ہم اللہ کو اس شئے میں پالیں اپنے انفس میں اللہ کو پانا یافت کہلاتا ہے اور آفاق میں اللہ کو پانا شہود کہلاتا ہے اس یافت و شہود کی تشریح اور ان کی باریکیاں کسی مرشد کامل سے دریافت کی جاسکتی ہیں۔ دریافت الگ چیز ہے اور یافت الگ چیز ہے صرف دریافت مقصد نہ ہو بلکہ یافت مطلوب ہو۔

گم

خالق و مخلوق میں انسان گم ...... پھر اسی انسان میں رحمٰن گم
گم نہیں وہ گم نہیں وہ گم نہیں ...... گر نہ ہو انسان کا عرفان گم
گم نہیں تو گم نہیں تو گم نہیں ...... در حقیقت ہے تیرا وجدان گم
گم ہوا جا گم ہوا جا گم ہوا ...... نفس گم ہو قلب گم ہو جان گم
گم کا گم ہونا یہی معراج ہے ...... ہے یہاں انسان کی پہچان گم
غیب ظاہر ہو چلا ادراک سے ...... شکر ہے ہونے لگا ایمان گم
سارا عالم ہے نہاں قرآن میں ...... حضرت انسان میں قرآن گم

ہو کے گم پھر گم کو گم کیجئے غلامؔ
بس اسی میں آپ کی ہے شان گم

یافت و شہود......

معرفت میں جسم گم ہے جان گم ہو گئے ہیں خلق کے اوسان گم
عین میں ثابت ہیں کل اعیان گم خالق و مخلوق میں انسان گم
پھر اسی انسان میں رحمٰن گم

عبد ہے جو مالک کل کا امیں جس کی خاطر ہیں یہ افلاک و زمیں
ہے وہی محبوب رب العالمین گم نہیں وہ گم نہیں وہ گم نہیں
گر نہ ہو انسان کا عرفان گم

امتی رحمۃ للعالمین ہے مصلی تیرا کل روئے زمیں
تیرا جلوہ ہے سر عرش بریں گم نہیں تو گم نہیں تو گم نہیں
در حقیقت ہے تیرا وجدان گم

درمیان اول و آخر رہا درمیان ظاہر و باطن چھپا
ہے جہاں خود کو وہیں معلوم پا گم ہوا جا گم ہوا جا گم ہوا
نفس گم ہو قلب گم ہو جان گم

خیرامت کا جہاں میں راج ہے　　انتم الاعلون سر پر تاج ہے

گم اگر حق میں نہ ہوتا راج ہے　　گم کا گم ہونا یہی معراج ہے

ہے یہاں انسان کی پہچان گم

جلوہ گر ہے مہر مشت خاک سے　　ربط ہے اس کا خدائے پاک سے

مری پرواز ہے پرے افلاک سے　　غیب ظاہر ہو چلا ادراک سے

شکر ہے ہونے لگا ایمان گم

نحن اقرب کی صدا ہے کان میں　　جلوہ گر ہے دیکھ لو، ہو، جان میں

وسعتیں ہیں بے کراں عرفان میں　　سارا عالم ہے نہاں قرآن میں

حضرت انسان میں قرآن گم

ان میں گم ہونے کا پہنچا ہے پیام　　کردیا میکش نے خالی مئے سے جام

ہو رہا ہے دردؔ گم لیجئے سلام　　ہو کے گم پھر گم کو گم کیجئے غلامؔ

بس اسی میں آپ کی ہے شان گم

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

درس - ۷

حقیقتِ قرب

اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُوْلٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ.

آگے بڑھ جانے والے آگے بڑھ جانے والے ہیں، وہی تو مقربین ہیں۔

قرب کے مختلف درجات ومراتب ہیں۔

ایک تو وہ ہے جس کو مل جانے اور ادراک حقیقت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو ایک چیز کو دوسری چیز سے ملنے کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ مفہوم حق تعالیٰ کے ساتھ منطبق نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہیں تو اس طرح ایک جسم اور ادراک کلی بھی نہیں ہوتا اس لئے ہر ادراک کلی احاطہ کو چاہتا ہے اور حق تعالیٰ وہ محیط ہیں محاط کس طرح ہوسکتے ہیں وہ واجب ہیں ممکن نہیں وہ لامتناہی ہیں متناہی نہیں اور وہ غیر محدود ہیں محدود نہیں۔ اللہ کے سوا دوسری کائنات کی جو چیزیں ہیں بشمول انسان یہ سب ممکن ہیں محاط ہیں، متناہی ہیں، مقید ومحدود ہیں۔

اور ایک قرب کا مفہوم وہ ہے جس میں رفع حجاب ہوتا ہے اور ایک قرب علمی۔ عمومی طور پر علماء کرام اس قرب سے قرب علمی ہی مراد لیتے ہیں مگر صوفیاء کرام اس سلسلہ میں قرب علمی کے ساتھ قرب ذاتی کے قائل ہیں۔

مدارج قرب:

علم اور علیم: اور صفت اور ذات میں باوجود کئی قسم کا فرق ہونے کے دونوں میں انفکاک محال بتاتے ہیں اور علماء ربانی اور محقق صوفیاء کا بیان ہے الصفة لاتنفک عن الذات بعض آیات میں نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّاتُبۡصِرُوۡنَ اور بعض آیتوں میں یوں ہے نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ

اس طرح کی آیات میں قرب علمی اور قرب سماع بتائی جاسکتی ہے۔

اس طرح بعض آیات میں قرب ورضا کا بیان ہے وَمَا اَمۡوَالُکُمۡ وَلَا اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تقربکم عِنۡدَنَا زُلۡفٰی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا اُولٰئِکَ لَهُمۡ جَزَاءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَهُمۡ فِی الۡغُرُفَاتِ اٰمِنُوۡنَ۔

ترجمہ: اور تمہارے اموال واولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا قریب بنادے ہاں مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ دونوں چیزیں البتہ اسباب قریبہ ہیں ایسے لوگوں کیلئے ان کے نیک عمل کا دوگنا صلہ اور بدل ہے اور وہ جنت کے بالا خانوں میں چین وراحت سے ہوں گے۔

طریقہ تقرب:

اس میں قرب الٰہی کے حصول کا اصولی طریقہ بتایا گیا ہے اور جو لوگ مال ومتاع اہل وعیال میں گم اور اموال کی تحصیل میں پڑے ہوئے ہیں اور اسی کو اپنا مقصود بنائے ہوئے ہیں، ان کے حق میں تنبیہ ہے کہ یہ قرب الٰہی کے ذرائع نہیں ہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ اصل ذرائع ہیں اور اس میں بھی وہ اعلیٰ درجہ کی بات ہوگی اور قرب کامل قرب اعلیٰ قرب خاص مراد ہوگا اسی لئے اس آیت اور اس طرح کی دوسری آیات وروایات جو بیان کی جاتی ہیں ان کو ملحوظ رکھ کر بلا تکلف اس تصوف کے علوم کو علم قرب سے تعبیر کرسکتے ہیں یہاں ایک اہم بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک

شخص تو وہ ہے جو بادشاہ وقت سے دور ہے مگر بادشاہ نے اس کو کوئی عہدہ یا منصب عطا کیا اور مختلف القاب وخطابات سے نواز اور شب وروز شاہی عنایات اس پر متوجہ ہیں مگر وہ مختلف امور کی تکمیل اور احکام شاہی کی تو یہ شخص صورتا تو بادشاہ سے دور ہے مگر حقیقتاً قریب ہے۔

اور ایک وہ شخص ہے جو جرائم کا مرتکب ہے حکومت کا باغی ہے مختلف احکام میں عدم تسلیم کا مجرم ہے اس بنا پر بادشاہ اس سے سخت ناراض ہے بادشاہ نے اسے حکم دے کر زنجیر بند ہوادی قید وبند میں گرفتار ہے اور قریب ہے یا بحکم بادشاہ کے روبرو حاضر ہے تو یہ شخص ظاہراً تو بادشاہ کے قریب ہے لیکن فی الحقیقت بعید ہے دور ہے مردود ہے رضائے شاہی سے محروم ہے مورد عتاب ہے مستحق سزا ہے، ان مذکورہ تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ سے قریب ہونے اور اس کو قریب کرنے کا کیا طریقہ ہے اور اصلاً اس کے احکام پر عمل کرنا اس کو راضی کرنا اصل کام ہے اور بس یہ بات مضبوط یاد رکھ لینی چاہئے۔ وصول وہی مقصود ہے جو رضا کے ساتھ ہو وہ وصول مقصود نہیں جو ناراضگی کے ساتھ ہو تو قرب مطلوب ہے محبوب ہے اور اس کے بھی بے شمار درجات ہیں۔

مطلق اور مقید ہونے کا مفہوم

صفات وجودیہ قدیم ہیں قائم بخود ہیں اگر ان صفات کی نسبت ہم ذات حق سے کریں تو ان صفات کو مطلق کہیں گے اور اگر ان صفات کی نسبت ذات مخلوق سے کریں تو ان صفات کو مقید کہیں گے، لہذا صفات وجودیہ فی نفسہ نہ مطلق ہیں نہ مقید ہیں بلکہ قدیم ہیں یعنی قائم بخود ہیں

مطلق کے معنی ہیں زمان اور مکان سے پاک ہونا اور مقید کے معنی ہیں زمان ومکان میں ان کی یافت ہونا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ جن چیزوں سے پاک ہیں انہیں چیزوں سے ان کی یافت بھی ہے۔

ہر شیٔ کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے ذات حق کی کوئی صورت نہیں اللہ کی حقیقت کوئی نہیں جانتا البتہ اللہ کی یافت ہوتی ہے سبع صفات وجودیہ کمالیہ سے جب ذات حق کی کوئی صورت نہیں تو ذات حق کے سبعہ صفات ہی ذات حق کی صورت ہیں۔

ذات حق کی صورت اور صفات کمالیہ میں کوئی فرق نہیں اس موقع پر ہی ان اللہ خلق آدم علی صورتہ کی طرف اشارہ ہے

سچ ہے مولیٰ کی نہیں کوئی مثال

اور اگر ہے ، ہے مثال آدمی

ذات خلق کی صورت اس کے ظاہری اور باطنی اعضاء کو کہتے ہیں اور ذات خلق کی حقیقت اس کے سبع صفات عدمیہ کو کہتے ہیں اور حقیقت کو تبدیل نہیں کا مطلب یہ ہے کہ ذات حق کی حقیقت کسی وقت بھی ذات خلق کی حقیقت میں تبدیل نہیں ہوسکتی۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

درس-۸

وحدۃ الوجود

(وحدۃ الوجود کی تعلیم کا ایک حصہ)

(نوٹ: استفادہ از مضامین حضرت درویش میر شبیر علی چشتیؒ)

وجود کو سمجھنے کیلئے ہم کو چاہیئے کہ تمام اشارات حسی کی نفی کرتے جائیں، تمام اشارات کی نفی کے بعد جو کچھ باقی رہتا ہے وہی وجود ہے اور وہی اللہ کی معیت ہے اس لئے کلمے میں نفی پہلے ہے اور اثبات بعد میں ہے۔

اللہ اور بندے میں وجود پر محض یقین رکھنا اس کی علمی یافت ہے۔

وجود ایک کی کشفی یافت اللہ کے فضل کی تمنا اور مرشد کامل کی توجہ کے استحقاق پر موقوف ہے۔

الٰہی ریڈیو!!

وجود ایک اور ذات دو، جو کامل التحقیق وصوفیہ کا بنیادی ارشاد ہے اور علم الٰہیات کی جان ہے، اب اس ارشاد کے رموز اور نکات دنیاوی ریڈیو کے ذریعہ بیان کرنیکی کوشش کی جارہی ہے۔ ریڈیو کی ایجاد نے علم الٰہیات اور روحانیت کے انتہائی سربستہ رموز کو نہایت آسانی کے ساتھ بدیہیات اور روزمرہ کے مادی تجربات

میں تبدیل اور منتقل کر دیا ہے، اگر ریڈیو کی ایجاد نہ ہوتی تو ان سر بستہ رموز کا بیان کرنا ایک کامل صوفی کو عوام اور خواص دونوں کی زبان سے خلل دماغ کا خطاب لاتا، چنانچہ نصف صدی قبل کامل صوفیاء اس کا شکار ہوتے رہے جس کی وجہ سے یہ قابل احترام ہستیاں اپنے شاگردوں کو خلوت اور تنہائی میں بخوبی جانچ کے بعد ان سر بستہ رموز کی تعلیم دیتی رہیں۔

الحمد للہ کے ریڈیو کی ایجاد نے موجودہ زمانہ کے اللہ والوں کے علم سینہ کو علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر تعلیم دینے کی سہولت بہم پہنچائی۔ یہ سہولت اللہ ہی نے بخشی ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ قیامت تک جتنی بھی سائنسی ایجادات ہوں گی وہ سب انشاء اللہ اسلامی علوم کیلئے معاون ہو سکتی ہیں۔

ہر انسان کے پاس:

اللہ پاک ہر انسان کو ایک بہترین اور مکمل ریڈیو عنات فرمائے ہیں یہ ریڈیو انسان کا قلب ہے، اس قلب کے دو حصہ ہیں، ایک حصہ ادنیٰ اور ایک حصہ اعلیٰ ہے۔ ادنیٰ ریڈیو ماسوی اللہ کے پیامات حاصل کرتا ہے اور اعلیٰ ریڈیو خالص اللہ کے پیامات حاصل کرتا ہے۔ ادنیٰ ریڈیو کا ایریل حواس خمسہ ظاہری ہے اور اعلیٰ ریڈیو کا ایریل حواس خمسہ باطنی ہے۔ مگر خالق عالم نے ہر معمولی انسان میں قلب کے ہر دو ریڈیو کو آلات کی وصولی اور آلاتِ ترسیل سے نوازا ہے۔ ادنیٰ ریڈیو حواس خمسہ ظاہری ایریل سے آلات وصولی کے ذریعہ بیرونی پیامات حاصل کرتا ہے۔ اس ادنیٰ ریڈیو میں یہ صلاحیت خداداد ہوتی ہے کہ پیامات کو سمجھ کر اپنے آلات ترسیلی کے ذریعہ ان کے عمل یا ردعمل کے احکام حواس خمسہ ظاہر کو روانہ کرتا ہے۔ ان احکامات کے بموجب انسان کے اعضاء بات کرتے ہیں، ماسوی اللہ کے پیامات حاصل کرنے کا مقام دماغ ہے۔ جوں ہی یہ پیامات صحت مند دماغ حاصل کرتا ہے فوراً

بلا وقفہ قلب کو ان پیامات کی اطلاع دے دیتا ہے تا کہ عمل یا ردعمل کے احکامات قلب سے حاصل کرے ایک صحت مند قلب فوری عمل یا ردعمل کے احکامات جاری کر دیتا ہے۔ یہ احکامات پہلے صحت مند دماغ میں پہنچتے ہیں اور صحت مند دماغ ان احکامات کو فوراً حواس خمسہ کے متعلقہ حواس کو روانہ کر دیتا ہے تا کہ حسبہ تعمیل کی جا سکے لہٰذا دماغ پیامات لینے اور احکامات بھیجنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس لئے ایک انسان کا صحت مند دماغ پیامات اور احکامات کے دادوستد کا ذریعہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ البتہ قلب نہایت زبردست حاکم یعنی کنٹرولر ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دماغ احکامات بھی دیتا ہے وہ غلطی پر ہیں جدید نفسیات نے اس غلطی کو ثابت کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ دماغ نہ تو پیامات سمجھ سکتا ہے اور نہ احکامات دے سکتا ہے۔ یہ دونوں کام قلب انجام دیتا ہے مگر یہ دونوں کام اس تیزی سے عمل میں آتے ہیں کہ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دماغ ہی نے سب کچھ کیا جو غیر صحیح ہے، اگر دماغ صحت مند نہ ہو تو پیامات کے حصول میں غلط فہمی ہوگی اگر قلب صحت مند نہ ہو تو احکام دینے میں غلطی کا امکان ہے، دماغ اور قلب دونوں کی صحت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک ظاہری صحت دوسری باطنی صحت، قلب و دماغ کی ظاہری صحت یہ ہے کہ دیوانہ یا پاگل نہ ہو قلب و دماغ کی باطنی صحت یہ ہے کہ ان کی تربیت صحیح اصول پر ہوئی ہو یہ صحیح اصول صرف کتاب وسنت سے حاصل کئے جا سکتے ہیں، جس قلب و دماغ کی تربیت خلاف کتاب وسنت ہو تو ایسا قلب و دماغ ظاہری صحت تو رکھتا ہے مگر باطن میں بیمار ہے، اس باطنی بیماری کو سوائے علماء ربانی اور اللہ والوں کے کوئی دوسرا شخص نہیں جان سکتا۔ جب کہ بیماری کی تشخیص نہ ہو تو علاج کیا خاک ہوگا۔ اسی وجہ سے اللہ والوں نے ایک بیمار قلب و دماغ کے علاج کے چار مدارج مقرر کئے ہیں۔ ایک درجہ علاج تزکیہ ہے دوسرا درجہ علاج تصفیہ ہے۔ تیسرا درجہ علاج تجلیہ ہے، چوتھا درجہ علاج تخلیہ ہے۔ یہ علاج البتہ کسی اللہ والے سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔

اس مضمون میں آئندہ ہم صرف لفظ قلب استعمال کریں گے اس کے ضمن میں دماغ خود بخود آجاتا ہے۔ اس کا علحدہ تذکرہ نہیں کیا جائے گا البتہ اس امر کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ جس طرح حواس خمسہ ظاہری کے ایریل کا تعلق بھی دماغ ہی سے ہے۔ اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ظاہری یا باطنی ایریل کے پیامات قلب بالراست حاصل نہیں کرسکتا، جب تک کہ درمیان میں دماغ کا توسط نہو، اسی طرح قلب اپنے احکامات بالراست ظاہری یا باطنی نہیں دے سکتا جب تک کہ واسطہ دماغ نہ ہو۔ دنیوی ریڈیو میں دماغ کی مثال وہ تار ہے جو ایریل کو ریڈیو کے اندرونی مشین سے ملاتا ہے۔ ریڈیو میں اس تار کی اہمیت ظاہر ہے کہ اگر یہ نہو تو آواز کی لہریں ریڈیو کی مشین میں داخل ہوسکتی ہے اور نہ ریڈیو میں آواز پیدا ہوتی ہے قلب کا اعلیٰ ریڈیو خالص اللہ کے پیامات حواس خمسہ باطنی اور دماغ کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ قلب کے ادنیٰ اور اعلیٰ ریڈیو ایک دوسرے سے اس قدر مربوط اور ایک ہوتے ہیں کہ معمولی انسان کے بس کی بات نہیں کہ خالص اللہ کے پیامات کو ماسوی اللہ کے پیامات سے ممیّز اور ممتاز کرسکے۔ اس معمولی انسان کو ایک غیر معمولی قوت تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قوت تمیز قلب کے تزکیہ، تصفیہ، تجلیہ، تخلیہ سے حاصل ہوتی ہے، جن کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ قلب جس قدر اوپر کی چیزوں میں مشاق ہوگا۔ اتنا ہی اس میں قوت وتمیز زیادہ ہوتی جائیگی۔ ویسے ویسے اللہ کے پیامات کا ادراک زیادہ ہوگا، جتنا یہ ادراک قوی تر ہوگا اتنا ہی وہ انسان اللہ کے قریب تر ہوتا جائے گا۔ لہٰذا قلب کا ریڈیو جس کو ہم نے برائے تفہیم دو حصوں میں منقسم کیا ہے وہ خداداد آلہ ہے، جس کی مناسب تربیت اور صفائی قلب کا واحد ذریعہ ہے۔ چونکہ قلب انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ ایک خداداد آلہ ہے، لہٰذا آئندہ ہم اس کو الٰہی ریڈیو کی تشریح دنیوی ریڈیو کے اجزاء کے ذریعہ حسب ذیل طریقہ سے کریں گے۔

۱۔ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن یعنی نشر گاہ:

ریڈیو میں جتنی آوازیں آتی ہیں وہ کسی نہ کسی نشر گاہ کی ہوتی ہیں، جب تک کہ نشر گاہ اس آواز کو نشر نہ کرے کوئی ریڈیو وہ آواز نہیں سن سکتا۔ بعض وقت جب تمام نشر گاہیں بند رہتی ہیں تو ریڈیو ہم پر کہیں سے بھی کوشش کریں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی، الٰہی ریڈیو کی نشر گاہ کیا ہے؟ اس الٰہی ریڈیو کی نشر گاہ خود ذات اللہ ہے، ذات کے تحت جتنے اسماء ہیں وہی سب ایک ایک نشر گاہ ہیں۔ ہر اسم جو اپنی تجلی حسب اقتضاء ہر ذرہ کائنات تک پہنچتا ہے وہی اس کے اسم کی نشر گاہ کی حقیقی آواز ہے، جسے ہر ذرہ کائنات حاصل کرتا رہتا ہے۔ بہر حال اللہ پاک کے پاس نشر گاہوں کی تعداد یوں تو غیر معین کہی جا سکتی ہیں، مگر اللہ پاک کے (۹۹) اسمائے گرامی اگر لئے جائیں تو (۹۹) نشر گاہیں قرار پاتی ہیں۔ ان نشر گاہوں سے اسماء الٰہی کی نشر بلا وقفہ تجلیات کی صورت میں ازل سے ہو رہی ہے اور ابد تک ہوتی رہیں گی ان نشریات کا نہ تو کوئی خاص وقت مقرر ہے اور نہ ان میں کوئی وقفہ ہوتا ہے۔

۲۔ ساؤنڈ ویوز: آواز کی لہریں

جس طرح ایک نشر گاہ آواز کو نور کی لہروں میں تبدیل کرتا ہے اور یہ لہریں تمام دنیا کے اطراف...... ایک سکنڈ کے کچھ حصہ میں کئی بار چکر لگاتی ہیں، اسی طرح اللہ پاک کے اسماء کی تجلیات تمام کائنات پر سکنڈ کے خدا ہی بہتر جانتا ہے کتنے حصہ میں کتنی بار چکر لگاتی ہیں یہ تجلیات ہر شئے یعنی ہر ذرہ کائنات تک پہنچتی رہتی ہیں۔ مگر وہ شئے یا وہ ذرہ اس تجلی یا ان تجلیات کو اپناتا ہے جن کی صلاحیت یا اقتضاء اس میں موجود ہو، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ کا فیض تو عام ہے مگر ہر فیض سے فائدہ اٹھانے والا اپنے اپنے ظرف اپنی اپنی اقتضاء کے مطابق خاص ہے۔

۳۔ ایریل:

یہ وہ آلہ ہے جو فضا کی نوری لہروں کو اپنے اندر جذب کر کے ریڈیو کے اندرونی مشین تک ایک تار کے ذریعہ پہنچاتا ہے اور اندرونی مشین پھر ان لہروں کو آواز میں تبدیل کر دیتا ہے، الٰہی ریڈیو انسان کے حواس خمسہ ظاہری اور باطنی اس کے ایریل ہیں، حواس خمسہ ظاہری انسان کے عام ریڈیو کا ایریل ہے اور حواس خمسہ باطنی اس کے خصوصی ریڈیو کا ایریل ہے جواس خمسہ ظاہری مظاہر فطرت کو دماغ کے ذریعہ قلب تک پہنچا کر قلب کے احکام کا انتظار کرتے ہیں۔ اب قلب کا فریضہ ہے کہ مظہر اور مظہر کو جدا جدا کر کے دیکھے۔ قلب میں مظہر اور مظہر کو جدا کرنیکی قوت اس کی مناسب تربیت اور کامل صفائی پر موقوف ہے۔ یہ تربیت اور صفائی مرشد کامل کے ذریعہ درجہ تکمیل کو پہنچتی ہے جو حواس خمسہ باطنی کے ایریل تک پہنچنے والی لہریں یعنی تجلیات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک الٰہی تجلیات، دوسرے شیطانی تجلیات یہ دونوں تجلیات ایک دوسرے کے اس قدر مشابہ ہوتے ہیں کہ محض عقل اور وجدان ان کے فرق سے عاجز ہے، البتہ کتاب اور سنت کی روشنی میں مرشد کامل کی رہبری سے دونوں کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ فرق معلوم ہونے کے بعد سالک شیطانی تجلیات کے آوازوں کو جو قلب میں سنائی دیتی ہیں، عدم توجہ سے نظر انداز کر دیتا ہے اور صرف الٰہی تجلیات کی آوازوں پر ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے۔

۴۔ ٹیون:

یہ ریڈیو کا وہ آلہ ہے جس کے ذریعہ مختلف نشر گاہوں سے جتنی آوازیں نشر ہوتی ہیں ان کو ٹھیک اور صحیح میٹر پر ملا کر سنا جاتا ہے، اگر اس کے ملانے میں غلطی ہوگی تو وہ آواز نہیں آئے گی، جو سنی جانی چاہئے۔ الٰہی ریڈیو میں اس ٹیون کو مراقبہ اور مشاہدہ کہتے ہیں۔ مراقبہ ابتدا ہے اور مشاہدہ انتہا ہے اس کی تفصیل کسی کتاب سے یا

کسی اللہ والے سے دریافت کی جاسکتی ہے۔

۵۔ ویالیوم:

یہ وہ آلہ ہے جس سے ریڈیو کی آواز بڑھائی اور گھٹائی جاتی ہے۔ اس کو الٰہی ریڈیو میں اذکار مطلقہ اور اذکار مقیدہ کی مشق اور تکرار کو کہتے ہیں، لہٰذا اسی نشرگاہ کی آوازیں اگر صاف اور واضح سننا مقصود ہو تو اذکار مقیدہ اور مطلقہ کی مشق اور تکرار خاطر خواہ کرنا ہوگا۔

۶۔ والوز:

یہ ریڈیو کے وہ آلے ہیں جن کی تعداد کی کمی یا زیادتی سے آواز واضح یا غیر واضح ہوتی ہے، عموماً ریڈیو ۴، ۶، ۸ اور ۱۲ والوز کے ہوتے ہیں، جتنے والوز زیادہ ہوں گے اتنی ہی آواز صاف سنائی دیتی ہے، الٰہی ریڈیو میں یہ آواز بندے کی اقتضا ذاتی یعنی فطرت تصور کی جائے گی جس طریقہ سے کہ ریڈیو جتنے والوز کا بنا ہوا ہوتا ہے اس کو کم یا زیادہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح الٰہی ریڈیو میں بھی جس بندے کی جو اقتضاء ہے جس طریقہ پر بنی ہوئی ہے اس کے ساتھ موجود ہوگی اور اسی طریقہ پر اور اسی حد تک الٰہی نشرگاہ کے پیامات وہ سنتا ہے اور سن سکتا ہے۔ اب ہم ریڈیو کے ۴، ۶، ۸ اور ۱۲ والوز کو صرف برائے تفہیم الٰہیات میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ صالحین کا ریڈیو ۴ والوز کا ہوتا ہے اور شہداء کا ریڈیو ۶ والوز کا ہوتا ہے اور صدیقین کا ۸ والوز کا اور انبیاء کا ریڈیو ۱۲ والوز کا ہوتا ہے۔

۷۔ آواز میں مزاحمت!

اس سے مراد وہ دیگر فضائی آوازیں ہیں جو نشرگاہ کی لہروں کی آوازوں کے ساتھ ایریل میں منتقل ہو کر ریڈیو تک پہنچتی رہتی ہیں ان کی موجودگی نشرگاہ کی اصلی

آواز کو اکثر کم کر دیتی ہے۔ بعض وقت نشر گاہ کی آواز کو بالکلیہ گم کر دیتی ہے۔ الٰہی ریڈیو میں ان مزاحمتوں کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک بندہ ماسوی اللہ کی طرف جتنا متوجہ ہوگا اتنا ہی وہ الٰہی نشر گاہوں کی آوازوں کو کم سنے گا۔ بعض وقت تو نشر گاہ کی آواز ہی بند ہو جائے گی۔ صرف ماسوی اللہ کی آوازوں میں پھنس کر رہ جائے گا۔ ان کو دور کرنے کیلئے کتاب وسنت اور مرشد کامل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ماسوی اللہ میں کائنات اور شیطان داخل ہیں۔

۸۔ میٹر!!!!

ریڈیو میں میٹر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک میڈیم دوسرا شارٹ عموماً میڈیم میٹر پر نشر گاہ سے آواز میں مزاحمت زیادہ ہوتی ہے اور شارٹ میٹر پر یہ بات بہت کم یا بالکل نہیں ہوتی۔ ہم اس کو الٰہی ریڈیو میں یوں کہہ سکتے کہ راہِ شریعت اور راہِ طریقت کے سالکین میڈیم میٹر پر الٰہی نشریات سنتے رہتے ہیں اور راہِ حقیقت اور راہِ معرفت کے سالکین شارٹ میٹر پر سنتے رہتے ہیں۔

۹۔ الیکٹرک کرنٹ (برقی رو)!!

ہر ریڈیو کو برقی رو کی ضرورت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ریڈیو کا وجود ہی بیکار ہے۔ اسی طرح سے نشر گاہ کو بھی برقی رو کی ضرورت ہے تا کہ اپنے پیامات نشر کر سکے لہٰذا برقی رو نشر گاہ اور ریڈیو دونوں میں ایک اور مشترک ہے۔ ٹھیک اسی طرح الٰہی ریڈیو میں اس برقی رو کو ہم اللہ کا وجود کہیں گے یہ وجود اللہ اور بندے میں ایک ہی ہے۔ اگر یہ وجود بندے میں نہ ہو تو بندہ خود بیکار اور اس کے قلب کی حرکت بند ہو کر اس کے حق میں الٰہی ریڈیو معطل ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ ریڈیو کے مذکورہ بالا بیان سے ہم حسب ذیل دیگر نتائج بھی اخذ کرتے ہیں۔

۱۔ ریڈیو کی خرابی۔ یا ٹیون کی نابرابری سے لہروں کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک بدیہی چیز ہے کہ جو ریڈیو ہم روزانہ استعمال کرتے ہیں ان میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں تو آواز پیدا نہیں ہوتی، آواز کا پیدا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ نشرگاہ سے آوازیں نشر نہیں ہو رہی ہیں، الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنیٰ ہیں وہ لوگ جو اس سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ کے پیامات تجلیات کی صورت میں بندے تک پہنچتے رہتے ہیں ان کا یہ انکار دراصل خود ان کے قلب کی خرابی کی غیر ترقی یافتہ صورت ہے۔ جب تک صاحب قلب سے پہلے اپنے قلب کی خرابیوں کو دور نہ کرے اور جب تک ایک استاد فن یعنی مرشد کامل اس آواز کے ملانے کو نہ سکھا دیں اس وقت تک یہ آواز نہیں سنی جاسکتی اور یہ بخوبی یاد رکھنا چاہیے کہ الٰہی ریڈیو میں جب کبھی ہم آواز کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد کلام بلا صورت ہوگا۔

۲۔ ذات نشرگاہ سننے والے کا مقصود نہیں ہوتا، سننے والا کبھی اس پر غور نہیں کرتا کہ لندن، واشنگٹن یا ماسکو وغیرہ کی نشرگاہیں کس طرح بنی ہوئی ہیں، اس کے کتنے کمرے ہیں اور اس کی مشنری کیسی ہے وغیرہ وغیرہ۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی ذات میں کبھی تفکر نہ کریں کہ اس کی ذات کیسی ہے۔ وہ اس کے صفات کو کیسے کام میں لاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے ممانعتی احکام قرآن پاک اور احادیث میں موجود ہیں۔

۳۔ صفات نشرگاہ سننے والے کا مقصود ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ کونسی نشرگاہ پر کتنے بجے اور کس میٹر پر اور کس قسم کی خبریں ہوتی ہیں اور اسی کے مطابق سننے والا اپنے ریڈیو کو استعمال کرتا ہے۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے مختلف

اسماء خود بندہ پر اور تمام کائنات پر کس طرح کب اور کس موقع پر کیا کام کررہے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی ربوبیت بندے اور کائنات پر کس طرح کام کررہی ہے۔

۴۔ نشرگاہ اور ریڈیو کے درمیان ذریعہ لاسلکی ہے۔ لاسلکی کے یہ معنی ہیں کہ کسی نشرگاہ سے ریڈیو تک بظاہر ذریعہ تار وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ذریعہ مانا جائے تو یہ صرف کھلی فضا یا ایتھر ہے۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اور بندے اور ہر ذرہ کائنات کے درمیان ایک لاسلکی ہے یعنی بظاہر کوئی ذریعہ نہیں مگر باطنی ذریعہ خالق اور مخلوق کا رشتہ تخلیق ہے۔ یہی رشتہ لاسلکی مخلوق کے ساتھ ہے اور اس لاسلکی سے تمام کائنات کی کار براری ہورہی ہے۔

۵۔ نشرگاہ اور ریڈیو کا اپنا اپنا مقام جدا ہے ریڈیو میں آواز کیلئے نہ تو نشرگاہ ریڈیو کے پاس آتی ہے اور نہ ریڈیو نشرگاہ کے پاس جاتا ہے یہ دونوں اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے محل میں موجود ہیں۔ مگر ریڈیو سننے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری نشرگاہ اس ریڈیو کے اندر آگئی ہے۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی ہیں کہ قرب حق میں نہ تو اللہ بندے کے پاس آتا ہے اور نہ بندہ اللہ کے پاس جاتا ہے بلکہ دونوں اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے محل میں جیسے کہ وہ ہیں موجود ہیں مگر باوجود اس طرح موجود رہنے کے ہر بندہ جو اللہ کی آواز اپنے ریڈیو میں سنتا ہے وہ اسے سمجھتا ہے اور اس کا ایسا سمجھنا نہایت درست ہے کہ اللہ خود اس کے باطن میں موجود ہے۔

۶۔ ریڈیو کی مرمت یا درستگی ریڈیو ہی کے میکانک سے کروائی جاتی ہے۔ ریڈیو کی خرابی سوائے اس ریڈیو کے میکانک کے کوئی دور نہیں کرسکتا۔ یہ رات دن کا تجربہ ہے کہ جب کبھی ریڈیو خراب ہوتا ہے تو ہم اس کو کسی ریڈیو میکانک ہی کی دکان پر پہنچ کر درست کروالیتے ہیں۔ یا اگر گھر کا مالک یا سننے والا بشرطیکہ ریڈیو کے میکانزم سے واقف ہو تو اس کو درست کرلیتا ہے۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی

ہیں کہ اگر کسی بندے کا قلب خراب ہو جائے تو اس کو درست کرنے کیلئے یا تو خود متوجہ ہونا پڑے گا اگر وہ اس فن کا جاننے والا ہو ورنہ کسی مرشد کامل کی طرف رجوع کر کے درست کروانا ہوگا۔

۷۔ ریڈیو کی موجودگی اس کے استعمال کی دلیل نہیں ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تک ریڈیو کا استعمال نہ بتلایا جائے ہم اس کو استعمال نہیں کر سکتے۔

یہ ایک بدیہی چیز ہے کہ جب کبھی ہم ریڈیو خریدتے ہیں تو دکان دار اس کے استعمال کا طریقہ خریدار کو سمجھا دیتا ہے کہ کس وقت اور کس طرح استعمال کرنا چاہئے۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ والوں کی باتوں سے انکار کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ جو قوت ان کے باطن میں موجود ہے اس کے استعمال کا طریقہ اللہ والوں سے دریافت کریں۔ اگر بندہ اپنی جہالت سے اپنے باطن میں ریڈیو کی موجودگی سے انکار کر دے اور اس انکار کی وجہ سے وہ اللہ کی عنایت سے محروم ہو جائے تو اس کی ذمہ داری بالکلیہ خود اسی پر ہے اور ایسے بندے کیلئے سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو چیز اس میں موجود نہیں ہے اور دوسروں میں موجود ہو تو اس سے انکار نہ کرے اور یہ جانے کہ ممکن ہے کہ دوسرے لوگ جو ایسی باتیں کہتے ہیں وہ اس کیلئے موزوں اور مناسب ہیں اور چونکہ مجھ میں نہیں ہے تو جب تک مجھ میں پیدا نہ ہو مجھے انتظار کرنا چاہئے اور اگر ایسا نہ کرے گا اور اس کے بجائے وہ اللہ والوں کو بُرا بھلا کہے گا تو اس کا وبال خود اس پر پڑے گا۔ اس مضمون کو امام غزالیؒ یوں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عام مسلمان اللہ والوں کی باتوں سے انکار کرے تو مجھ کو اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

۸۔ مسئلہ وحدت الوجود! اب ہم نشرگاہ اور ریڈیو کے دو اہم مربوط نتائج کو لیں گے نشرگاہ سے کہنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے مگر اسی ایک شخص کی آواز ایک

کروڑ ریڈیو یا ان سے کئی گنا زیادہ ریڈیو اسی ایک شخص یعنی کہنے والے کی آواز کا نہ
سنائی دیتی ہے۔ یہاں تک کہ نشرگاہ میں تقریر کرنے والا اگر تقریر کے دوران
کھنکارے یا ذرا سی بھی حرکت کرے تو وہ حرکت تک اسی ریڈیو پر سنائی دیتی ہے اور
یہ ریڈیو جو اس شخص کی آواز کو پیش کر رہا ہے یہ اپنے اقتضاء کے موافق یعنی 4،6،8
اور بارہ والوز کے لحاظ سے کم واضح یا غیر واضح آواز کو حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ نشرگاہ
میں تقریر کرنے والا شخص واحد ہوتا ہے مگر اس کی آواز دنیا کے ہر حصہ میں بلا لحاظ
زمان و مکان کروڑوں ریڈیو میں سنائی دیتی ہے۔ زمان اس وجہ سے صفر ہو جاتا ہے
کہ وقت مقررہ پر سکنڈ کے کسی حصہ کی کمی کے بغیر دنیا کے ہر ریڈیو میں شروع ہو جاتی
ہے۔ مکان اس وجہ سے صفر ہو جاتا ہے کہ نشر دنیا کے ہر ریڈیو پر چاہے وہ ہزار ہا
میل کے فاصلہ پر ہو گویا کہ موجود پائی جاتی ہیں۔ اس طرح پائے جانے کے
باوجود پھر بھی مقرر اپنی جگہ پر ہے اور ریڈیو اپنی جگہ پر۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مقرر
کے اپنے اصلی اور حقیقی کمالات پر ریڈیو میں اس کی صلاحیت کے موافق بلا لحاظ
زمان و مکان عارضی اور عاریتی طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔ مقرر کی ذات تو ایک
ہوتی ہے مگر اس کے صفات کا ظہور ان گنت ریڈیو میں ہوتا ہے۔ باوجود ظہور ان
گنت ہونے کے مقرر ایک کا ایک ہی رہتا ہے۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی ہیں
کہ ہر بندہ جو کائنات کے کسی حصہ میں ہو بلا لحاظ زمان و مکان اللہ کی ربوبیت اللہ
کے کمالات جو اللہ کے لئے اصالتاً اور حقیقتاً ثابت ہیں اپنی صلاحیت کے مطابق
حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور یہ کمالات ہر بندے یعنی مربوب کیلئے عاریتاً اور امانتاً
ہوتے ہیں۔ باوجود اللہ کے کمالات ہر بندے میں پائے جانے کے اللہ اپنے محل
اور مقام پر ہے اور بندہ اپنے محل اور مقام پر ہے۔ اللہ کے کمالات ان گنت بندوں
میں پائے جانے سے اللہ کی وحدانیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۹۔ ریڈیو کی حالیہ ایجاد ٹیلی ویژن نہایت اہم ہے۔ اب تک نشر گاہ کے مقرر کی آواز یعنی اس کے صفات ہر ریڈیو میں نمایاں ہوتے تھے مگر اب حالیہ ایجاد کی وجہ سے مقرر کے صفات کے ساتھ مقرر کی ذات بھی نمایاں ہو جاتی ہے یہ ایجاد نہایت صحیح ہے کیونکہ ہر شئے کی صفت جہاں نمایاں ہوتی رہتی ہیں وہاں اس کی ذات بھی موجود رہتی ہے۔ ذات وصفات میں انفکاک محال ہے۔ اس ایجاد سے شخص واحد کروڑہا بلکہ ان گنت جگہ نمایاں ہوتا ہے۔ باوجود ان گنت نمائندگی کے مقرر کی شخصیت واحد رہتی ہے۔ الٰہی ریڈیو میں اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر بندے کا قلب نہ صرف اللہ کی ربوبیت کے کمالات کو اپنے میں سما لیتا ہے بلکہ خود اللہ کی ذات کو بھی سما لیتا ہے۔ قلب کو ذات اللہ کا سمانا بھی ضروری ہے کیونکہ اللہ کی ذات کا اس کے صفات سے انفکاک محال ہے۔

اوپر کے دو اہم نتائج کو ملانے سے ایک اہم اصول برآمد ہوتا ہے کہ مقرر اور ریڈیو وجوداً تو ایک ہیں مگر ذاتاً دو الگ الگ ہیں اگرچہ مقرر ریڈیو نہیں ہے اور ریڈیو مقرر نہیں تاہم نشر گاہ میں مقرر کو دیکھ کر اس کی تقریر سننا ویسا ہی ہے جیسا کہ ٹیلی ویژن پر مقرر کو دیکھ کر اپنے ریڈیو کے مائیکروفون پر اس کی تقریر سننا ہے الٰہی ریڈیو میں اس کو وحدت الوجود کہتے ہیں اللہ اور بندہ وجوداً تو ایک ہے مگر ذاتاً دو ہیں۔ مگر اللہ کو دیکھنا ہے اور اس کے کمالات کو پانا ہے تو بندے کے وجود کو دیکھو اور اس کے کمالات کو سمجھو یہی وحدت الوجود ہے۔ جو غیریت کے ساتھ بیان کیا جائے جو وحدت الوجود بلا غیریت بیان کیا جائے وہ الحاد ہے۔

ملنے کا پتہ

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

Khateeb Masjid-e-Alamgeeri, ITI Mallepally, Hyderabad

H.No. 19-4-281/A/39/1, P.O. Falaknuma, Nawab Saab Kunta,

Near Shaheen Colony, Hyderabad - 53, A.P. INDIA.

Phone : +91 040 24474680